دعوت تبلیغ کا شرعی طریقہ کار

مقالہ نگار: مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری
دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر 5

پیش کردہ: دوسری بنوں فقہی کانفرنس

قسط اول

نمبر شمار	ذیلی عنوانات	نمبر شمار	ذیلی عنوانات
1	تمہید (ادارہ)	8	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا نمونہ
2	دعوت و تبلیغ کا لغوی و اصلاحی مفہوم	9	دعوت کا نبوی ﷺ طریقہ
3	دعوت و تبلیغ کی اہمیت قرآن کریم کی روشنی میں	10	ابتدائی مراحل گھر میں دعوت
4	دعوت و تبلیغ کی اہمیت احادیث کی روشنی میں	11	اجتماعی دعوت گھرانے کو تبلیغ
5	دعوت کا قرآنی طریقہ	12	انداز دعوت ﷺ طرز تربیت
6	حضرت یوسف علیہ السلام کے طرز تبلیغ کا طریقہ	13	دعوت کا دائرہ کار (شرائط)
7	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے چند نمونے	14	انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت سے مستفاد چند اصول

تمہید:

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تبلیغی جماعت سے پوری دنیا میں اشاعت اسلام و تبلیغ دین کا کام لے رہے ہیں۔ جماعت کے غیر معمولی وسعت کی وجہ سے اس میں علم دین سے ناواقف عوام کی اکثریت ہے جس میں سے بعض لاعلمی کے ساتھ تبلیغ دین کے جذبات ابھرتے ہیں تو وہ عقائد و اعمال دونوں میں حدود شریعت سے تجاوز کر جاتے ہیں لیکن یہ بھی واضح رہے کہ یہ رویہ اس جماعت میں بعض افراد کا انفرادی حال اور انفرادی طرز عمل ہے، جو ان افراد کی نادانی اور جہالت کی وجہ سے پوری تبلیغی جماعت کو غلط اور ان جیسا سمجھنا درست نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت مجموعی اعتبار سے صحیح جماعت ہے اور اس پر خیر غالب ہے، اس کے ذریعہ خلق خدا کو دینی نفع پہنچ رہا ہے جو قابل قدر ہے اور بے حد نافع اور مفید ہے۔ زیر نظر مقالہ میں ان کو صرف بعض نظریاتی اور بعض افراد کی انفرادی اغلاط کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جو ایک اصلاحی دستاویز سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام دینی جماعتوں کی خدمات دینیہ قبول فرمائیں (ادارہ)

الحمد للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

رب کائنات کا دنیائے انسانیت پر پہلا عظیم احسان یہ ہوا کہ اسے عدم سے وجود بخشا۔اور پھر ان کی ہر قسم کی ضروریات وسہولیات سے دنیا کو آراستہ فرمایا۔جس کا تقاضہ یہ تھا کہ پوری انسانیت عقل سلیم کی رہنمائی میں توحید باری تعالی کا عملی طور پر اقرار کرلیتی جیسا کہ عالم ارواح میں مخلوق نے رب تعالی کی ربوبیت کا قولی طور پر اقرار واعتراف کرلیا تھا اور بس!

لیکن حق تعالی نے محض اپنی شفقت کاملہؑ اور اپنے فضل وکرم سے یہ عظیم احسان فرمایا کہ جہاں وقدر فيها اقواتها مادی ضروریات کا انتظام فرمایا وہاں روحانی ضروریات کا بھی اہتمام فرمایا اور مخلوق وخالق کے درمیان رابطہ قائم فرمادیا۔تا کہ وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق جواب کے مناسب سامان رشد وہدایت پہنچایا اور اپنے بندگان کا اپنی بندگی کے آداب سکھائے غرض یہ کہ بلغ ماانزل اليك کے پیش نظر پیغامات ربانیہ کی تبلیغ کی ذمہ داری کو نہایت خوش اسلوبی سے نبایا۔اور دین اسلام کی دعوت وتبلیغ میں پیہم جدوجہد کی برکات ہیں۔کہ آج پورا عالم نور اسلام سے منور ہے۔اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ دعوت وتبلیغ کے معنی ومفہوم کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کی اہمیت،طریقہ کار،آداب،دائرہ کار اور شرعی حیثیت کا تعین کیا جائے اور دعوت وتبلیغ کی اہمیت سے روشناس کرانے کی کوشش کی جائے اور طریقہ کار وآداب کی وضاحت سے بے قاعدگیوں کا سدباب یا علاج ہوسکے۔

دعوت وتبلیغ کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

الدعوة

دعايدعو دعوةدعوت فلاناً ناديته جمع دعاة (المعرب ج ا/ص ۲۸۸) الدعوة پکارنا، الداعی. لوگوں کو اپنے مذہب ودین کی طرف بلانا (المصباح) الابلاغ و التبليغ: هماالايصال (پہنچانا) (القاموس المحيط)ابلغه وبلغه اليه پہنچانا، بلغ عنه الرسالة الى القوم پیغام رسانی کرنا (مصباح) وعر فها المتاخرون بتعاريف .. (الدعوة هي: ابلاغ الناس الاسلام فی کل زمان ومكان باالاساليب و الوسائل التی متناسب مع احوال المدعوين فالدعوة اذن جمع الناس مع الخير ودلالتهم على الرشد بامرهم بالمعروف و نهيهم عن المنكر (مستلزمات الدعوة ص ۲۱)

دعوت وتبلیغ کی اہمیت قرآن کریم کی روشنی میں:

قرآن کریم سے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ اول تا آخر احکام وشریعت کی کتاب ہے یہ بالکل بجا ہوگا۔لیکن اس کے اندر دعوت وتبلیغ کے پہلو کو دوسرے پہلوؤں پر غلبہ اور اہمیت حاصل ہے کیونکہ احکام کے مقابلے میں دعوت وہدایت کا پہلو قرآن کریم میں غالب ہے کیونکہ ارکان کی بنیاد ہدایت پر ہے۔اور تبلیغ پر اس ایمان کے حصول کا دارومدار ہے اس بناء پر یہ کہنا کہ تمام مضامین ومقاصد پر ہدایت ودعوت کا عنصر قرآن کریم میں نمایاں ہے۔بجا ہوگا اس لئے اسکی تعبیر اس طرح بھی کی جاسکتی ہے۔کہ قرآن کریم کا موضوع تبلیغ وہدایت ہے۔

دعوت وتبلیغ کی اہمیت کو اجاگر کرنے والی چند آیات کریمہ درج ذیل ہیں۔

1. ومن احسن قولا ممن دعاالی الله و عمل صالحاً وقال اننی من المسلمین (الاية) اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ نے دعوت الی اللہ،توحید وطاعتہ کوسب سے بہتر قرار دیا۔ لا کلام احسن من القرآن والدعوة الی توحید الله وطاعته احسن من کل ما سواها. (التفیسر المنیر. للدکتور وهبه الزحیلی)

2۔ الیه ادعو والیه مآب (الراعد ۳۶) امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں عبادات کی طرح اللہ کی بندگی کی دعوت بھی فرض اورواجب ہے قوله والمراد انه وجب الاتیان بهذه الدعوة فکذالک یجب علیه الدعوة الی عبودیة تعالی و هواشارة الی ثبوته اه (التفسیر الکبیر ۱۹/۶۱)

3. ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير .... الاية

اس آیت کریمہ سے مفسرین کرام رحمہم اللہ نے دعوۃ تبلیغ اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرضیت وجوب پر استدلال فرمایا ہے چنانچہ علامہ زحیلی لکھتے ہیں کہ فقه المحیاة اوالا حکام: اولا ان الدعوة الی الاسلام ونشر هافی افاق العالم والامر بالمعروف و لنهی عن المنکرمن فروض الاسلام الکفایة(التفسیر المنیر ج ۴/ص ۳۵)

امام فخرالدین رازیؒ رقم طراز ہے کہ

(المسئله الثانیة :هذه الاية اشتملت علی التکلیف بثلاثة اشیاء او لها الدعوة الی الخیرثم الامر بالمعروف ثم النهی عن المنکر ۱۵/۳ آه (التفسیر الکبیر ۸/۱۷۸)

اس آیت کریمہ سے یہ بھی واضح ہوا کہ حق تعالیٰ نے انسانیت کی رشد وہدایت کیلئے اپنے احکامات و پیغامات کی دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری جوانبیاء سابقین علیہم السلام کوسونپ رکھی تھی۔ختم نبوت کے صدقے میں یہ ذمہ داری نبھانے کی سعادت اور کارنبوت کی انجام دہی کا فریضہ حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کوسونپ دیا گیا۔جس میں جہاں امت مرحومہ دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری وفریضہ کا مکلّف بنایا گیا ہے۔وہاں امت محمدیہ علی صاحبہا السلام والتحیہ کی فضیلت وشرافت کا پہلوبھی نمایاں ہورہا ہے کہ خیرالخلائق (انبیاء)والا کام اس کے سپرد ہوا۔اوراسی خیریت وشرافت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بناء پرتمام امتوں پر برتری کا اعزاز بخشا۔اوراسی کوخیریت وفضیلت کا معیارقراردیا۔چنانچہ حق تعالیٰ کاارشاد ہے۔

کنتم خیرامة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر .... الایه

علامہ وھبۃ الزحیلی تفسیر منیر میں لکھتے ہیں۔

یخبر الله تعالی عن الامة الاسلامیه بانها خیر الامم فی الوجود الان مادامت تامر بالمعروف وتنهی عن المنکر وتومن بالله ایمانا صحیحا صادقاً کاملاً و انماقدم الامر بالمعروف والنهی عن المنکر علی الایمان لأنّها اول بیان فضل المسلمین علی غیر هم وتظل الخیریه و الفضلیه لهذه الامةما دامت تومن بالله حق الایمان وتامر

بالمعروف و تنهٰی عن المنکر .....آہ (التفسیر المنیر ۴/ ۴۰)

دعوت وتبلیغ کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

شریعت مقدسہ نے دعوت وتبلیغ میں کسی مخصوص علمی معیار کو بھی لازم قرار نہیں دیا۔ بلکہ جس کے پاس جس قدر علم ہو خواہ دین کی ایک ہی مسئلہ کیوں نہ ہو۔ بشرطیکہ اسے صحیح تعبیر میں ڈھال سکتا ہو۔ وہ اس کی تبلیغ کا مکلّف ہے۔ ان سب کو صاحب جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع جملے میں بیان فرمادیا۔ **بلغوا عنی ولو آیة** (مشکوٰۃ) یعنی انسان جس قدر علم رکھتا ہوا سے دوسروں تک پہنچانے میں مقدور بھر کوشش کرے۔ چنانچہ مرقات میں ملاعلی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **بلغوا عنی: ای انقلوا الی الناس وافید وهم ماامکنکم اوماا ستطعتم مما سمعتموه منی وما أخذ تموه عنی من قول اوفعل اوتقریر بواسطة او بغیر واسطه (الیٰ قوله) قال الطیبی: وفی الحدیث فوائد منها التحریض علی نشر العلم ومنها جواز التبلیغ کماهوعادة صاحب المصابیح والمشارق** (مرقاة المفاتیح ج ۱/ص ۲۶۴. ۲۶۵)

2. **عن ابی رافع رضی الله عنه ....لان یهدی الله تعالی بک رجلاً واحداً خیر لک مماطلعت علیه الشمس وغربت** (جامع الاحادیث للسیوطی حدیث نمبر ۳۲۱۰۲) طبرانی عن ابی رافعؓ.

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی ہدایت کی ذریعہ بننے اور کسی ایک آدمی کو راہِ ہدایت پر لانے کو دنیا بھر سے بہتر قرار دیا ہے۔ جس سے دعوت وتبلیغ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ انسان کے حق میں ہدایت پر لانے کی کامیاب کوشش کا سب سے بہتر ہونے کی وجہ ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **من دل علی خیر فله اجر فاعله** (مشکوٰۃ ص ۳۳) بھلائی کے کام کی رہنمائی کرنے والا نیکی والے کی طرح ہے۔ غرض ہادی ہدایت یافتہ کے جملہ اعمال میں برابر کا شریک ہوگا۔ جسکی زیادہ وضاحت ایک دوسری روایت میں ہے۔

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجر ها واجر من عمل بهامن بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شیء.........الخ (مشکوٰة ص ۳۳. مسلم ۲/ ۱۳۷)

اس حدیث مبارک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس داعی اول کی محنت کی برکت سے ہدایت پر آنے والے شخص کے نیک اعمال میں برابر کا حصہ ہی نہیں بلکہ اس سے آگے جہاں تک دعوت پہنچے گی۔ لوگ اس کے مطابق اعمال خیر کرتے رہیں گے۔ یہ سب اسی پہلے داعی کے عمل اور محنت کا تسلسل ہوگا اور وہ اسمیں شریک ہوتا رہیگا۔ شاید اسی بناء پر اس کے حق میں کسی کی ہدایت کے محنت کو سب سے بہتر قرار دیا ہے۔

3۔ **عن ابی شریح انه قال لعمرو بن سعید وهو یبعث البعوث الی مکه ایذن لی ایها الأمیر احدثک قولاً قام بهِ رسول الله صلی علیه وسلم الغد من یوم الفتح سمعته اذنای ووعاه قلبی وابصرته عینای حین تکلم به حمد الله واثنیٰ علیه ثم قال ان مکة حرمها الله ولم یحرمها الناس فلا یحل لامرئ یؤمن بالله والیوم الأخر ان**

يسفک بها دماولابعضد بهاشجره فان أحد ترخص لقتال رسول الله فيها فقولوا ان الله قد اذن لرسوله ولم يأ ذن لكم وانمااذن لی فيها ساعة من نهار ثم عادت حرمتها اليوم کحرمتهابالأمس وليبلغ الشاهد الغائب (رواه البخاری ج ۱/ص ۲۱)

یوم فتح کی صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے حاضرین غائبین تک پہنچا دیں اس طرح حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپؐ نے جہاں تکمیل دین کا اعلان فرمایا وہاں تبلیغ دین کا حکم بھی سنا دیا۔ جس کا مقصد یہی تھا کیونکہ آئندہ کیلئے سلسلہ نبوت تو ختم تھا۔ اور دعوت وتبلیغ کی تکلیف وذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو سونپ گئے۔

۴. من دعا الی هدی کان له من الأجر مثل أجور من تبعه لا ینقص من اجورهم شيئا ..... (مسلم، کتاب العلم)

۵۔ من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله .(مسلم. کتاب الامارة)

۶۔ فوالله لان یهدی الله بک رجلاً واحداً خیر لک من حمر النعم (بخاری. کتاب الجهاد. ۱/۴۱۳)

علاوہ ازیں متعدد روایات ہیں۔ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت وتبلیغ ،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب دی ہے۔ اور ترک پر وعیدیں سنائی ہیں۔ کہ دعوت وتبلیغ کے فریضہ سے پہلوتہی کرنے اور امر بالمعروف ، نہی عن المنکر ترک کر دینے سے اللہ کی طرف سے عذاب وپکڑ میں جلدی کا باعث اور ذریعہ ہے۔ اور اس کا اثر یا سزاء صرف بدکاروں یا سیاہ کاروں تک محدود نہیں رہتی بلکہ اپنے فریضے سے روگردانی کرنے والے صلحاء ونیکوکار بھی اس عذاب خداوندی کی سزا کی پکڑ میں آجائیں گے۔ حضور آکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو دومنزلہ کشتی کی مثال دیکر سمجھایا کہ بالائی منزل والوں نے تحتانی والوں کو کشتی میں سوراخ کرنے سے منع نہیں کیا۔ تو سب غرق ہو جائیں گے۔ (تفصیل۔ مشکوۃ۔ ۴۳۶) اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ کہ حق تعالی خواص کی بداعمالی کی سزاء عوام کو تو نہیں دیتے لیکن عوام کی بداعمالیوں کا خمیازہ عوام وخواص دونوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ لا یعذب الله عامه بعمل الخاصة......فاذافعلوا ذلک عذب الله العامة والخاصة آه.(مشکوة/ ۴۳۸)

دعوت کا قرآنی طریقہ:

قرآن کریم کی دعوت کا طریقہ کار اور اسلوب ایسا حکیمانہ ہے۔ کہ جس میں طبائع اور احوال کی بھرپور رعایت اور لحاظ ہے۔ داعی وقتی مناسبت سے جس طریقے کو مفید دیکھے اس کے مطابق دعوت دے۔ اور پیغام پہنچائے۔ اس لئے حق تعالی نے آیت دعوت کے اندر انتہائی معجز اور مختصر انداز میں یہ اصول ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله و هو اعلم با لمهتدین. (النحل. / آیة نمبر ۱۲۵) یہ آیت کریمہ دعوت وتبلیغ کے طریقہ کار میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے اگر جملہ داعیان اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔ تو تمام

کے تمام عملی طور پر اس کے کاربند نظر آئیں گے۔ داعیان اسلام اسی کو سامنے رکھ کر دعوت وتبلیغ کی محنت کریں اوران کے لئے اصول کی حدتک یہی کافی ہے۔ حالات، طبائع اور موقع محل کی مناسبت سے جو طریقہ مناسب ہو۔ اس کے مطابق کام کریں۔ لیکن قرآن مبین کے تفصیلی پہلوؤں پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ کہ قرآن کریم کتاب مفصّل میں دعوت وتبلیغ کے مختلف اسلوب واصول سمجھائے گئے ہیں۔ جس کا عام فہم طریقہ یہ ہے۔ کہ قرآن کریم نے دعوت کے لئے واقعات اور مثالوں کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ دوسرے طرقہائے دعوت کی بنسبت یہ طریقہ زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کی سیرت اوران کے مواعظ اور مکالمے ایسی تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں کہ قلب سلیم فوراً متاثر ہوجاتا ہے۔ کیونکہ عملی نمونوں کا جو اثر ہوتا ہے وہ دوسرے طریقوں میں نہیں ہوتا۔ ان میں سے اکثر واقعات حضرت ابراہیم علیہم السلام، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت خاتم الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت وسیرت سے متعلق ہیں۔ چنانچہ مذکورہ آیت کریم کا ربط وتعلق بھی حضرت ابراہیمؑ کی دعوت توحید سے ہے۔ اور آپ کا پورا تذکرہ اس طرح ہے۔ **ان ابراهیم کا ن امة قانتاالله حنیفا ولم یک من المشر کین شا کرا لانعمه اجتباه و هداه الی صراط مستقیم وآتیناه فی الدنیاحسنةوانه فی الاخرة لمن الصالحین. ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا وما کا ن من المشر کین ادع الی سبیل ربک.........الایة**

حضرت ابراہیم علیہم السلام کے تذکرہ کے ضمن میں اس آیت کریم ادع ۔۔۔کا آنا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ آپ علیہ السلام کی دعوت حکمت وموعظہ حسنہ کے اصول پر کاربند تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے والدین اور قوم کو دعوت دی۔ تو مخاطبین کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی حکیمانہ انداز میں دعوت دی۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ فرزند ہونے کی حیثیت سے والد کو دعوت حق دینے کا انداز قرآن کریم میں موجود ہے۔

اذ قال لا بیه یأبت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصرولا یغنی عنک شیأ. یأبت انی قد جاء نی من العلم ما لم یأتک فا تبعنی أهدک صراطا سویأ. یأ بت لا تعبد الشیطٰن ....یأبت انی أخاف الآیة.

یہاں پر پیغمبرانہ انداز دعوت اور حکیمانہ اسلوب دیکھئے کہ پدرانہ شفقت کو بیدار کرنے کیلئے یا بت اے اباجان فرمایا اس میں حکمت یہ تھی کہ پدرانہ محبت دل کے دروازے کھول دے گی اور دعوت حق کیلئے دل میں جگہ بن سکے گی۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے خطاب اور دعوت میں بھی مخاطبین کی نفسیات کو ملحوظ رکھا۔ کہ والد صاحب سے خطاب کے دوران ان کے معبودان کی بے بسی وغیرہ کا ذکر تو تھا۔ جسے پدرانہ شفقت برداشت کرسکتی تھی۔ لیکن یہاں پر ان کے معبودوں کے بارے میں کچھ کہنے کی بجائے خود انہی سے کہلوایا۔ قرآن کریم جس کی حکایت ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ **واتل علیهم نبأ ابراهیم اذقال لابیه و قومه ماذاتعبدون قالو انعبد أصناما فنظل لها عاکفین، قال هل یسمعونکم اذتدعون اوینفعونکم او یضرون ٥**

ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ نے ان کے معبودان کی حقیقت نہیں بتائی اور یہ بھی نہیں فرمایا۔ کہ ان کی عبادت تمہارے کسی کام کی نہیں۔

ورنہ دعوت سننے کو تیار ہی نہ ہوتے اس لئے آپ کے استفسار کے جواب میں ان کا یہ کہنا قالو! بل وجد نا اٰباء نا کذلک یفعلون اس میں خود گویا ان کی طرف سے اقرار ہے۔ کہ وہ ہمیں نفع ونقصان نہیں پہنچاتے۔ بلکہ آباؤ اجداد کو ایسا کرتے دیکھا۔ اس لئے ہم بھی ان کی پوجا کرتے ہیں۔ اور حضرت ان سے یہی کہلوانا چاہتے تھے۔ کہ وہ اپنے معبودان کی عاجزی اور خود اپنی جہالت کا اعتراف واقرار کرلیں۔ اس اعتراف کے بعد آپؑ نے اپنی دعوت واضح فرمائی۔

افرأیتم ما کنتم تعبدون ہ أنتم واٰباء کم الاقدمون ہ فانهم عدولی الارب العالمین الذی خلقنی فهو یهدین... الایہ (شعراء/۸۲). ان آیات میں حق تعالیٰ کی چند صفات خلق، ہدایت، رزق، شفاء اور موت وحیات پر قدرت کا ذکر فرمایا۔ جبکہ بتوں میں نفع وضرر کی کوئی بھی صفت موجود نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرز تبلیغ کا ایک نمونہ:

حضرت یوسف علیہ السلام جن مراحل کو طے کرکے منصب نبوت تک پہنچے۔ وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہیں بالخصوص جب آپؑ کو بے گناہ طور پر پابند سلاسل کیا گیا۔ تو آپؑ کی شرافت، حسن اخلاق، سنجیدگی، وقار، کردار، سیرت اور عبادت گزاری کی وجہ سے آپؑ عام وخاص کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ اور مختصر ہی عرصے میں رفقاء جیل کے عام وخاص کا مرجع بن گئے۔ اسی اثناء میں دو درباری قیدی بھی کسی جرم یا الزام میں قیدی تھے۔ انہوں نے اپنا خواب بیان کیا۔ تو مزاج نبوت نے ان کی ضرورت اور حاجتمندی کو دیکھ کر پہلے تو انہیں تسلی دی کہ تمہارے خوابوں کی تعبیر بلا کسی زیادہ تاخیر کے بتادی جائیگی۔ تمہارے پاس کھانا آنے سے قبل ہی بتا دیں گے۔ یا کھانے سے متعلق قبل از وقت بتادیں گے۔ کہ تمہارے لیے کیا کیا تعبیر ہے۔ الغرض کھانا چونکہ عموما اور قیدیوں کیلئے خصوصا ایک گونہ نشاط طبعی کا ذریعہ ہے۔ اس کے ذکر سے ایک قسم کا نشاط بھی پیدا کرنا مقصود تھا۔ تاکہ بات کو پورے نشاط کے ساتھ سنا جائے۔ یہی سے اپنے اصل مقصد کو بھی ساتھ ساتھ لے رہے ہیں۔ کہ میں آپ کو خواب کی تعبیر کھانا آنے سے قبل یا کھانے کی نوعیت سے قبل از وقت آگاہ کردوں تو اس میں میرا کوئی ذاتی کمال نہیں بلکہ عالم الغیب علیم وخبیر کا کمال ہے۔ ذلکما مما علمنی ربی - یہ ان باتوں میں سے ہے۔ جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں۔ اس میں یہ بھی وضاحت حکیمانہ اسلوب ہے۔ کہ میرے فہم وفراست پر تمہیں اعتماد ہے۔ بھروسہ ہے۔ تو جس رب نے مجھے یہ فہم وفراست نصیب کی اور میرا پالنے والا ہے۔ یہ کمالات جس کے عطا کردہ ہیں۔ اس کی ربوبیت کا اعتراف واقرار بھی کرلینا چاہیئے پھر آگے وقت وماحول کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے بحث کو طول دیئے بغیر دعوت جاری رکھیں۔ اور ان کی توجہ ونشاط خواب کی تعبیر کی منتظر تو تھی۔ اور یہ لوگ آپ کی بات سننے کیلئے ہمہ تن گوش تھے۔ اس لئے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دعوت توحید کو قدرے وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔ اور فرمایا انی ترکت ملة قوم لا یؤمنون باللہ وهم بالاٰخرة هم کفرون. اس سے آپؑ کو اندازہ ہوتا گیا کہ دعوت سننے کی پوزیشن میں ہیں تو آپؑ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا یا صاحبی السجن ءأرباب متفرقون خیر أم اللہ الواحد القهار. اگر حضرت پہلے ہی سے اپنے اس پروگرام کو کھل کر بیان کردیتے۔ تو ان پر گراں گزرتا۔ اور ان کے قلب وذہن قبول نہ کرتے۔ توحید

خداوندی کے بعد ان کے معبودان کی حقیقت کے بارے میں بتایا کہ یہ نام ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔نام ہیں مسمّیٰ ان کا کوئی نہیں۔

ما تعبدون من دونه الا اسماء سميتموها أنتم و آباء كم ما انزل الله بها من سلطٰن.

دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام نے کس قدر خوش اسلوبی اور حکمت کے ذریعے، موعظہ حسنہ کے ذریعے اپنے مخاطبین تک اپنے رب کا پیغام پہنچایا۔جس میں داعیان اسلام کیلئے بہترین نمونہ بھی موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوت کے چند نمونے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہیں حق تعالیٰ نے ربوبیت کے مدعی فرعون کی طرف مبعوث فرمایا۔جس نے عظمت خداوندی کو چیلنج کیا تھا۔ اس کے پاس بھیجتے وقت حضرت موسی وہارون علیہما السلام کو یہ ہدایت کی جاتی ہے۔ **فقولا له قولا لينا لعله يتذكر أو يخشى.** فرعون کی مکار ذہانت نے ایک ایسا بے ربط سوال پیش کیا کہ ہمارے پہلوں کا کیا حال ہے؟ اس کے جواب میں مدح وذم ہر دو پہلو سے وہ اپنے حق میں عمومی ہمدردی اور دعوت کے رد کا بہانا چاہتا تھا۔اگر آپؑ مذمت بیان کردیتے تو سارے بپھر جاتے اور کافرانہ حمیت ہر قسم کا اقدام کر گزرتی اسی طرح اگر خاموش رہتے یا مصلحت اس میں دیکھتے کہ ان کے بارے میں اچھا اعتقاد ظاہر کیا جائے۔تو فرعون کہہ دیتا کہ ہم بھی یہی اعتقاد تو رکھتے ہیں۔لیکن حضرت موسی علیہ السلام نے پیغمبرانہ فراست کی روشنی میں ایسا حکیمانہ اسلوب اختیار کیا کہ اس کے جواب کے ساتھ ساتھ دعوت کو بھی جاری رکھا۔فرمایا **قال علمها عند ربى فى كتاب لا يضل ربى ولا ينسىٰ الذى جعل لكم الارض مهدا.....(طه ۵۲/۵)**

الغرض فرعون نے بار بار مختلف انداز سے دعوت سے ہٹانے کی کوشش کی۔لیکن حضرت موسیٰؑ نے بار بار حکمت کے ساتھ دعوت کو جاری رکھا۔اس سے دعوت وتبلیغ کے واضح اصول معلوم ہوتے ہیں۔ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپؑ جیسے جلالی پیغمبر بھی دعوت کے بنیادی اصول حکمت وموعظہ حسنہ پر کس طرح کاربند تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا نمونہ:

آپ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد حضرت موسیٰؑ کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔تاکہ بنی اسرائیل کو گمراہی سے ہٹا کر حق کی طرف لایا جاسکے۔اور صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی جائے۔چنانچہ آپؑ آکر اعلان توحید کرتے ہیں۔جس کا نقشہ قرآن کریم نے یہ پیش کیا۔ **وقال المسيح يبنى اسرائيل اعبدوا الله ربى وربكم أنه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة و ماواه النار وما للظلمين من انصار . (مائده/۷۲)** لیکن بنی اسرائیل اپنی سرکشی سے باز نہ آئے۔آپؑ نے مختلف معجزے بھی دکھائے لیکن انہوں نے عناد وفساد سے کام لیا حتیٰ کہ آپؑ کے جان کے درپے ہوگئے۔اپنے زعم کے مطابق وہ ایسا کر گزرے لیکن حق تعالیٰ نے ان کے اوہام باطلہ کی تردید فرمائی ہے۔بہرحال ان پیغمبران خدا علیہم السلام کی دعوت سے ہمیں کیا اصول ملتے ہیں۔**علامہ الشیخ علی بن**

صالح المرشد" مستلزمات الدعوة فی العصر الحاضر" میں رقمطراز ہیں۔ وانسا لنلا حظ فی عرض الدعوہ فی حیاۃ اولی العزم من الرسل الذین اتخذناھم نماذج لأروع ماعر فت البشریۃ من اخلاص فی العمل وصدق فی القول وتحمل للاذی وبذل للجھد وتضحیۃ بالنفس والمال والولد (۱۳۵-۱۳۶)
قرآن کریم میں دعوت وتبلیغ کے اس اسلوب یعنی انبیاء کرام کے قصص میں عظیم حکمت ملحوظ ہے۔ کہ داعیان و مصلحین ان کے قصص و طریق کومشعل راہ بنائے اور راہنمائی حاصل کریں۔ اوران کے طریقہ کار پر چلیں۔ اور انہیں اپنی تمام تر تبلیغی مصروفیات اور اعمال میں انہیں مقتدی و پیشوا بنائیں۔ اوران کے نقش قدم پر چلیں جیسا کہ حق تعالیٰ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔
وکلا نقص علیک من انباء الرسل ماںثبت بہ فوأ دک و جاء ک فی ھٰذہ لحق وموعظۃ وذکریٰ للمؤمنین (ھود ۱۲۰) وقولہ تعالیٰ فاقصص القصص لعلھم یتفکرون . (مستلزمات الدعوۃ ۱۴۱/). قرآن کریم کی دعوت کا عام فہم اور متبادر الفہم دعوت قصص او پر درج ہوا۔ لیکن قرآن کریم نے دوسرے مختلف اسلوب بھی اختیار کئے جس میں صرف قرآن کریم کا معجزانہ ویگانہ انداز دعوت فکر کا بیان ہی نہیں بلکہ اس میں معاشرتی، طبعی، فکری اور نظریاتی اختلافات اور ثقافتی وتمدنی تفاوت کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ اور بسا اوقات ایک ہی معاشرے میں داعی کو مختلف اسلوب اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے دعوت وتبلیغ کے مختلف اسلوب بیان کئے۔ جس کی اصل اور بنیادی آیت ادع الی سبیل ربك الایه جس کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ یعنی حکمت، موعظہ حسنہ، اور مجادلہ اور مباحثہ بالتی ھی احسن۔ اگر حکمت وموعظہ سے نہ سمجھیں تو مجادلہ اور مباحثہ کے ذریعے انہیں سمجھائے۔
اذاتتلیٰ علیھم ایاتنا بیّنٰت قالوا ما ھٰذا الاّ رجل یریدان یصدکم (سبا ۴۳/)
و قالو انحن اکثر اموالاّ و اولاداً و ما نحن بمعذبین (سبا ۳۵/) فان اللہ یعلّم رسولہ الرد و یأمرہ فیقول قل ان ربی یبسط الرزق آہ (مستلزمات الدعوۃ ۱۶۸/) آگے مختلف مثالیں اور نظائر موجود ہیں۔ اس کا ثمرہ یہ نکلے گا کہ ولا تستوی الحسنۃ و لا السیّئۃ ...... کانّہ ولیّ حمیم ہ اگران سے بات بڑھ جائے تو اگلا مرحلہ "دعوت بالقوہ" کا ہے۔
قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظہ. وقولہ تعالیٰ و أعدو لھم ما استطعتم من قوۃ. اس کو انشاء اللہ نبویؐ طریقہ دعوت میں قدرے محل شرح وبسط بنایا جائیگا کیونکہ اس کا عملی جامہ آپؐ کی زندگی ہے۔ وہیں پر اس کی تفصیل بجا ہوگی۔
قرآن کریم میں دعوت وتبلیغ کا ایک اسلوب ترغیب وترھیب اور انذار وتبشیر بھی ہے۔ کقولہ تعالیٰ ان اللہ یدخل الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت جنّات تجری من تحتھا الأنھر والذین کفروا یتمتعون و یأکلون کما تاکل الانعام والنّار مثوی لھم. (محمد/۱۲) وعداللہ الذین آمنوا منکم وعملو الصٰلحٰت .....(نور/۵۵)

اسلوب دعوت امثال کے ذریعے:

عربوں کے ہاں فصاحت وبلاغت کو خاص مقام حاصل تھا۔ وہ اپنے کلاموں میں استعارات، تشبیہات اور امثال کا استعمال کیا کرتے

تھے۔ پھر مثال کے ذریعے بات کو افہام کے جس طرح قریب کیا جاسکتا ہے کسی اور طریقے سے نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں امم سابقہ کی مثال ذکر فرمائی گئی ہے جس سے ایک داعی صبر وتحمل کا سبق پاتا ہے اور یہ باور ہوجاتا ہے کہ ان مصائب وتکالیف جھیلنے میں یہ داعی تنہا نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی یہ سلسلہ رہا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ توحید کو سمجھانے کیلئے مثالوں سے وضاحت کی جاتی ہے۔ ہر دو قسم کی مثالیں درجہ ذیل آیات میں منقول ہیں اور ان کی احوال کو مقام عبرت میں ذکر فرمایا۔ **قوله تعالیٰ ام حبستم أن تد خلوا الجنة و لما یأ تکم مثل الذین خلوا من قبلکم ......(بقرہ/۲۱۴)**

یا یها الناس ضرب مثل فاستمعوا له .....(حج/۷۳)

دعوت کا نبوی ﷺ طریقہ:

دوسرے ﷺ نے بھی دعوت کی ابتدا اس نہج پر کی جس پر انبیاء سابقین نے اپنی اقوام کو دعوت دی اور **اعبدو الله و لا تشر کوا به شیئاً** کا حکم سنایا۔ لیکن انبیاء سابقین چونکہ صرف اپنی اقوام کیلئے داعی اور پیغمبر بن کر آئے تھے حضور اکرم ﷺ پوری دنیا کے لیے نبی و پیغمبر تھے جیسا کہ ارشاد ہے کہ: **قل یٰایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعاً الذی له ملک السموات و الارض (الاعراف /۱۵۸) و ما ارسلنک الا کآفّة للنّاس.(سبا/۲۸)**

اس بنا پر آپ ﷺ کی دعوت کے مختلف پہلو ہیں۔ داخلی، خارجی، اجتماعی وانفرادی۔

۱۔ ابتدائی مراحل گھر میں دعوت:

سب سے پہلے آپ ﷺ کی دعوت کا وہ ابتدائی مرحلہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے اندرونی (داخلی) طور پر دعوت کا آغاز فرمایا۔ جیسا کہ تاریخ ملّت" میں ہے "رسول خدا ﷺ نے سب سے پہلے خاموشی کے ساتھ ان لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا جن کے دل نیکی کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے مردوں میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سے حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ کچھ عرصے بعد جب آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد کافی ہوگئی تو آپ ﷺ کو کھلم کھلا اسلام کا حکم دیا گیا۔ ۱/۴۱)

۲۔ اجتماعی دعوت، گھرانے کو تبلیغ:

اس کے بعد حضور ﷺ کا دائرہ تبلیغ گھر، گھرانہ اور خاندان تک وسیع ہوا اور آپ ﷺ نے صفا پر چڑھ کر خاندانِ قریش کو نام بنام دعوت دی اور عذاب الٰہی کا خوف دلایا انہیں باور کرایا کہ میری قرابتِ نسبتی ذریعہ نجات نہیں ہے بلکہ نجات کیلئے توحید الٰہی اور میری نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جب کہ بخاری شریف میں ہے۔ باب **وأنذر عشیرتک الاقربین** کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ **عن ابن عباس قال: لما نزلت وأنذر عشیرتک الاقربین صعد النبی ﷺ علی الصفا فجعل ینا دی یا بنی فهر یا بنی**

عدى لبطون قريش حتی اجتمعوا فجعل الرجل ا ذالم یستطع ان یخرج ارسل رسولاً لینظر ما هو فجآء ابولهب و قریش فقال ارایتکم لوأ خبرتکم ان خیلا بالوادی تریدان تغیر علیکم أکنتم مصدقیّ قالوانعم ما جرّبنا علیک الا صدقاً قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فقال ابولهب تباّلک سائراليوم الهٰذا جمعتنا فنزلت تبت یداابی لهب و تبّ ما أغنی عنه ماله و ماکسب. (بخاری ج ۲ / ص ۷۰۲). پھر مکہ مکرم سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور انہیں کھلے عام دعوت دی اور اہل مدینہ کے اہل علم طبقہ جو تورات کے علماء تھے ان میں سے کچھ صاحب بصیرت علماء نے تورات میں مذکورہ علامات ونشانیاں دیکھ کر آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے داخل اسلام ہوئے وہاں آنحضرت ﷺ نے اہل مدینہ کے بعد اطراف میں دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع فرمایا اور مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دی بعضوں کو براہ راست یعنی زبانی طور پر دعوت دی خطابۃً دعوت دی۔ اس دعوت میں اہل مدینہ، حوالی مدینہ اور قرب وجوار کے تمام علاقے شامل ہیں جہاں تک آپ ﷺ کی آمدورفت تھی۔ اس طرح جوں جوں اسلام ترقی پذیر ہوتا گیا۔ تو آپ ﷺ نے مختلف علاقوں میں اپنے مختلف صحابہ کو دعوت وتبلیغ اور تعلیم پر مامور فرمایا۔ چنانچہ علامہ حمصی مدظلہ لکھتے ہیں لقد قام المصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام یدعوا الی اللہ کل من یلا قیھم من الاقوام احاداً او جماعات....... وارسل جماعات من أصحابه الذین علمو اعلم الاسلام و فقهوا احکامه الی الناس فی ارجاء الجزیرۃ العربیه یهدونهم و یعلمونهم . الی قوله . یدعون الی دین اللہ ویعلمونهم مبادی دین الاسلام ویقرون علیهم کتاب الدعوۃ الاسلامیة الحقه القران الکریم..... حتی ان الیمن و حدها نادت عددامن الدعاۃ غیر قلیل....... فلقد ارسل رسول ﷺ الی جزء من الیمن اباموسی الاشعری و معاذ بن جبل دعاۃ و هداۃ و ارسل فی الجزء الثانی خالد بن الولید و لکن لم یستجیبوا له فارسل الیهم علی بن ابی طالب فد عاهم ثم امهم من بعد دعوتهم الی الصلوٰۃ (الدعوۃ الی الاسلام لابی زهره بحواله الدعاۃ والدعوۃ الاسلامیه ۳۳)

یعنی نبی اکرم ﷺ کا تعلیم وتربیت کے لئے طریقہ یہ بھی رہا ہے۔ کہ خود تعلیم دینے اس کے بعد اپنے فیض یافتہ صحابہ کو تعلیم و تبلیغ کے سلسلے میں اطراف واکناف میں بھیجتے جیسا کہ یمن کے مختلف علاقوں کی طرف ابوموسی اشعریؓ، معاذ بن جبلؓ۔ خالد بن ولیدؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا۔ اس کے بعد ان مبعوثین کو احکامات بذریعہ خط وکتابت صادر فرماتے رہے۔ مثلاً مختلف علاقوں پر مامور والیان کے نام خطوط لکھتے اور حکم نامہ وہدایات ارسال فرماتے رہے۔ تقریباً دو (۲) اڑھائی درجن سے زائد ایسے تحریری احکامات کا تذکرہ کتب سیر میں ملتے ہیں جن میں آپ ﷺ بلاواسطہ والیوں کو اور بالواسطہ ان کے ماتحت رعایا کو دین حق اور احکامات خداوندی پہنچانے کی ذمہ داری پوری فرماتے رہے۔ لیکن یہ تو آپس کا سلسلہ تھا احکامات کی تعلیم تھی یا اسلام کی دعوت مگر اس کا دائرہ کار ماتحت طبقہ (رعایا) تک تھا۔ آپ ﷺ چونکہ عالمگیر نبی تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے دوسرے مختلف مقامات پر بھی پیغام اسلام وسلامتی بھیجا یہ سلسلہ بھی تقریباً بذریعہ رسائل ومراسلات کے ہوا۔ مثلاً آپ ﷺ کے نجاشی کے نام دعوتی وتبلیغی خطوط، ہرقل عظیم الروم کی طرف، امیر اطورالروم کی طرف،

مقوقس عظیم القبط ،ھرمزان عامل کسری، یہود خیبر کے نام، مسلیمہ کذاب کے نام مختلف علاقوں اور سلطنتوں کے بڑوں کے نام خطوط بھیجے۔ اور انہیں دین اسلام کی دعوت دی۔ **(مشکوۃ ص ۳۴۰ .باب الکتاب الی الکفار)**
معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے طریقہائے دعوت میں ایک طریقہ خط وکتابت بھی ہے۔ان میں کھل کر آپ ﷺ نے واضح کر دیا۔کہ اب دین کے نام سے کوئی نظام واجب العمل ہے۔تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ہم اسی کی دعوت دیتے ہیں۔اس طرح اگر قبول کرلیں گے۔ تو تمہاری سلامتی اسی میں ہے۔ورنہ اگلے مرحلے کیلئے کمر بستہ ہو جائے۔اگلا مرحلہ وہ ہے۔جس کی نبرد آزمائی کیلئے جو ہر شجاعت دکھانے کیلئے حضور اکرم ﷺ کے جان نثار بے تاب تھے۔**اذن للذین یقاتلون** ..... کہہ کر اس بے تابی کو دور کر دیا گیا۔اور دعوت وتبلیغ کو عام کرنے کے لئے جس قسم کی رکاوٹ دیکھی اس کا قلع قمع فرماتے گئے۔کیونکہ جہاد کا مقصد قتل انسانی نہیں بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔جو بھی اس کی راہ میں رکاوٹ سامنے آئے اسے ٹھوکر سے اڑا دیا جائے۔یا یوں کہہ لیجئے جہاد کا مقصد شعائر اسلام کا تحفظ ہے اسی کے طفیل دوسرے اسلامی اقدار کو صحیح معنوں مین برقرار اور پائندہ رکھا جاسکتا ہے۔قران کریم میں حق تعالی کا ارشاد ہے۔ **ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد یذکر فیھااسم اللہ کثیرا و لینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز. (الحج/۴)**
قتال فی سبیل اللہ ہی واحد راستہ ہے۔جس کی بدولت مسلمان اپنے قول وفعل کی آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ وترویج اور اسلامیات کی تعمیر وترقی کو خوش اسلوبی سے بجالاسکتا ہے۔ورنہ عملی اعتبار سے کیا۔نظری اعتبار سے بھی مفلوج ہو جائیگا۔اور ذہنی پستی کا شکار ہو جائے گا۔غرضیکہ حق تعالی نے عزت وذلت کا معیار جہاد، قتال فی سبیل اللہ کو قرار دیا ہے۔اس کی بدولت کفار اہل اسلام سے ہیبت زدہ اور مرعوب ہیں۔جب اس فریضے میں کوتاہی ہونے لگے گی۔تو یہیں سے مسلمانوں میں کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے۔اور کفار کے دلوں سے ان کی ہیبت ورعب نکل جاتا ہے۔اور وہ اہل اسلام پر ٹوٹ پڑنے کو اس قدر آسان سمجھتے ہیں۔جیسا کہ سامنے رکھی پلیٹ اور رکابی پر حملہ آور ہونا عالم اسلام میں دین کی محنت کے حوالے سے ہونے والی محنت کس پر مخفی ہے۔اسلام کے نشر واشاعت کے اسباب کی کیا کمی ہے؟۔دین اسلام سے کون واقف نہیں ہے؟۔اہل اسلام صلاحیتوں کے میدان میں کس سے پیچھے ہیں۔وسائل ذرائع معاش میں کس سے کم ہیں مگر اس سب کچھ کے باوجود آج مسلمان اتنی پستی میں کیوں ہیں کہ دنیا میں جہاں بھی ذلت ورسوائی کسی کا مقدر ہے۔تو وہ صرف اور صرف اہل اسلام معلوم ہوتے ہیں بلکہ دین اسلام عزت دینے والا دین ہے۔عزت وذلت کا معیار اس کو قرار دیا ہے۔ **بان اللہ یرفع بھٰذا الکتب اقواماً و یضع بہ آخرین (الحدیث)** لیکن مسلمان اپنا وقار اور اپنی شان وشوکت مسلمان ہونے کے باوجود کھوئے ہوئے ہیں۔آخر یہ کس جرم عظیم اور گناہ کا نتیجہ ہے کہ وہ قوم جو دنیا میں غلبہ وسربلندی وسرفرازی دلانے والا لائحہ عمل ونظام رکھتی ہے اور اس کا دعوی ہے کہ **الاسلام یعلو و لا یعلیٰ علیہ** لیکن پھر بھی وہ اس پستی در پستی کی طرف جارہی ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ حدیث کا یہ طالب علم جانتا ہے کہ اس کی وجہ وہی ہے جس کو اختیار کرنے سے عزت وبرتری نصیب ہوئی تھی اب اسکو ترک کردینے اور

سستی وکاہلی اختیار کرتے ہوئے اس فریضہ سے بے رغبتی اختیار کررکھی ہے اس لیے آج اس ذلت کی زندگی، غیروں کے ماتحت زندگی گزار رہے ہیں۔اس کی وجہ آپ ﷺ نے بیان فرمائی۔ **اذاترکتم الجهاد فسلط الله عليكم الذلة.** **(الحديث)** اس لیے اس عزت رفتہ، کھوئی ہوئی شان وشوکت کو دوبارہ حاصل کرنے کیلئے واحد راستہ یہی ہے کہ ہماری دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں اس نہج پر ہوں کہ دعوتِ لسان کے ساتھ دعوت بالقتال اور تبلیغ بالقوۃ کا طریقہ بھی اپنائیں۔اگر ہمارے مخالفین اور اسلام دشمن دنیائے کفر کے دل میں ہماری ہیبت بیٹھ سکتی ہے تو اس کیلئے صرف یہی صورت ہے اس کے علاوہ اعمال صالحہ اور فرائض کی سرانجامی میں وہ کسی قسم کا خوف وخدشہ محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کو مذہبی آزادی کہہ کر کسی قسم کے تعارض سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ایسے کئی فرزندان توحید ہیں جو محض اس بناء پر صعوبتوں اور اذیتوں کا شکار ہیں کہ وہ نظریاتی طور پر دنیائے کفر سے تصادم کے خواہاں اور ملت کفر سے قوت وطاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے براہ راست دست بدست ہوکر کلمہ الٰہی کی سربلندی چاہتے ہیں ان کی اس ذہنی شوخی کو بھی جرم قرار دے کر انہیں مختلف طریقوں سے اس عبادت سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اور اگر اس میں کوئی عملی طور پر دلچسپی لے تو پورے عالم میں اسے دہشت گرد کہہ کر متعارف کرایا جاتا ہے کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اگر اسلام کا بول بالا ہوسکتا ہے۔اور اسلام کو کفر پر بالادستی حاصل ہوسکتی ہے۔تو وہ صرف اور صرف یہی راستہ ہے اس لئے وہ دنیائے کفر ہی کو نہیں بلکہ کمزور ایمان مسلمانوں کو بھی اسی کے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔کہ یہ طریقہ کار مذہبیت سے بے تعلق ہے یہ دہشت گردی ہے اور کمزور ایمان مسلمان ہی نہیں بلکہ اچھے خاصے دیندار کہلانے والے بھی اس جال میں پھنس جاتے ہیں۔اور اسے انسانیت کا قتل خونریزی اور خانہ جنگی جیسے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔حالانکہ حقائق کے میدان میں جایا جائے تو یہ بات آشکارا ہوئے بغیر نہیں رہتی کہ حق تعالی کی طرف سے غلبہ اسلام اور شوکت اسلامیان کا راز اسی میں رکھا ہوا ہے لیکن ملت کافرہ پیہم جدوجہد میں لگی ہوئی ہے کہ اس سطحی ذہنیت کے ذریعے غلبہ اسلام کے راستہ میں رکاوٹ کھڑی کی جائے اور اسلام کو ترقی پذیر ہونے کی بجائے تنزلی کی راہوں میں گامزن کیا جائے۔ چنانچہ دنیائے کفر کو ان کی اس دانشمندی نے ان کے منزل مقصود کے بالکل قریب کردیا۔اور آج پوری دنیا میں ملت کافرہ حاکمانہ حیثیت سے اہل اسلام پر اپنی من چاہی حکومت مسلط کئے ہوئے اور اہل اسلام محکومانہ زندگی بسر کررہے ہیں۔اور آج پوری دنیا پر نظر دوڑائیں تو یہ ملے گا کہ عیسائی مذہبی حکومت قائم ہے۔یہودیت کا صاحب اقتدار طبقہ اپنے مذہب کا پابند ہے اور اپنے ناحق مذہب کے نام پر اپنے تشخص کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔روافض اپنے مذہب جسکی حقیقت افسانے سے بڑھ کر کچھ نہیں) کے نام پر حاکمانہ تسلط قائم کئے ہوئے ہیں۔حتی کہ عقل وخرد سے محروم ہندو قوم (گائے کے پیشاب خور) اپنے مذہبی تہوار کو سرکاری شکل دینے میں خود کو حق بجانب اور آزاد سمجھتی ہے اور ایسا کر گزرنے میں اس کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹ نہ ہونے کی مانند ہے۔بلکہ پوری اسلامی دنیا پر نظر دوڑائیں تو کہیں بھی یہ نہیں مل سکتا کہ مسلمان اپنے مذہب کو سوفیصد سرکاری نظام قرار دینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔اگر کوئی اس کا دعویدار ہو کہ بعض اسلامی ممالک میں اسلامی نظام نافذ ہے یا اس کی بنیاد ہی اسلام کے نام پر پڑی ہے تو اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی ہے کہ وہ عبادات کے پہلو تک ہی محدود ہیں معاملات میں فقط سطحی

نظر سے دیکھنے پر یہ کہنا ممکن ہوگا کہ یہ نظام 100% غیر اسلامی نہیں یہ ضمانت تو قطعاً مشکل ہے کہ پورا اقتصادی نظام اسلامی اصولوں پر کاربند ہے۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ وقتی تقاضوں کے مطابق اہل اسلام کو جس طرح دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا تھا۔ اس میں کوتاہی کیا غفلت کے مرتکب ہیں۔ اس لئے اگر آج کی دنیا میں غلبہ اسلام کو ممکن بنایا جاسکتا ہے اصل اسلام کی کھوئی ہوئی شان وشوکت کو دوبارہ حاصل کرنا یقینی ہوسکتا ہے۔ تو اس کیلئے دعوت وتبلیغ کی لسانی طریقہ کے ساتھ اس آخری طریقہ کار قتال و جہاد کو بھی اپنانا ہوگا۔ اس کی برکت سے نصرت خداوندی شامل حال ہوگی۔ اور حضرت محمد ﷺ نے اس کے ترک پر ذلت کی جو وعید سنائی ہے اس ذلت سے بھی نجات مل جائیگی۔ اسلام کا بول بالا ہوگا اس راستے میں بھی دنیا کفر پوری مادی قوت کے ساتھ غلبہ اسلام کو روکنا چاہے گی تو بھی ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئیگا۔ اس کی زندہ مثال ہمارے بھائی ''طالبان افغانستان'' ہیں جنہیں دراصل طالبان اسلام کے نام سے یاد کرنا چاہئے۔ انہوں نے وقتی ضرورت کے مطابق دعوت کا یہ آخری طریقہ کار اپنایا تو حق تعالیٰ نے ان تنصر و اللہ ینصر کم کے وعدے کے تحت نہ یہ کہ ان کی طلب کو پورا فرمایا بلکہ انہیں نفاذ اسلام کیلئے اقتدار بخشا اور پوری دنیائے کفران کے مؤقف میں ذرا بھر لچک پیدا کرسکی نہ ہی ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا کرسکی بلکہ کفر کی دھونس دھمکیوں سے بے نیاز ہو کر عزت کے راستے پر گامزن ہیں اور رب کائنات قدم قدم نصرت ومدد کا وعدہ پورا فرمارہے ہیں۔

انداز دعوت طرز تربیت:

تربیت اعلیٰ ترین عملی نمونہ ہے۔ اولاً حضور اکرم ﷺ عمل کرتے اس کے بعد اس عمل کی دعوت دیتے اور ہر ممکن کوشش رہتی کہ تنگی و حرج نہ ہو آسانی اور سہولت والا معاملہ پیش آتا رہے۔ یہی منشاء خداوندی بھی ہے۔ **یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر** (بقرہ/ ۱۸۰) **وما جعل علیکم فی الدین من حرج** (حج /۷۸) اعرابی کو کس طرح تربیت دی حق تعالیٰ کی عنایت کردہ یسرو سہولت کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔ **رأى اعرابياً يبول فى المسجد ورأى الصحابة ليوقعوا فقال دعوه واريقوا على بوله مسجلاً من ماء او ذنو با من ماء فانما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين (بخاری کتاب الوضو ۱/ ۳۵)**

عن عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما قال: کنت غلاما فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفة قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا غلام سم اللہ و کل بیمینک وکل ممایلیک

(بخاری کتاب الاطعمہ ۲/ ۸۱۰ . مسلم کتاب الاشربة)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نوے ہزار درہم آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر ڈھیر فرما کر تقسیم کرنے لگے کسی سائل کو خالی نہیں لوٹایا ایک صاحب تشریف لائے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے پاس ہے تو کچھ نہیں۔ آپ اپنی ضرورت کے مطابق کسی سے چیز خرید لیں۔ اس کا حساب میں چکادوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر مقدور کا مکلف تو نہیں بنایا۔ آپ کو یہ بات اچھی نہ لگی ایک انصاریؓ نے فرمایا کہ خزینہ عرش میں کمی کے خوف کے بغیر خرچ فرمائیں۔ تو آپ مسکرائے بشاشت اور بشاطت چہرے

پرمحسوس ہوئی اور فرمایا بذلک امرت (شمائل ترمذی)

دعوت کا دائرہ کار:

دعوت وتبلیغ کے طریق کار کو کسی مخصوص قانون وضابطہ میں بند کر دینا نہ قرین مصلحت ہے نہ مقتضائے حکمت۔ کیونکہ دعوت وتبلیغ کا انداز ماحول اور مخاطبین کے طبائع اور مصالح دینیہ کے مطابق متعین ہوتا ہے۔ اس لئے کہ دعوت کو صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور صورتحال ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔

الغرض دعوت وتبلیغ کو مخصوص قواعد وضوابط میں جکڑ کر محدود نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر مناسب طریقے کو بروئے کار لانا صحیح ہے۔ کیونکہ دعوت و تبلیغ کی وسعت کا کوئی ٹھکانہ نہیں اس لئے دعوت وتبلیغ کی زمانی اور مکانی حدود بھی وسیع تر اور پھیلی ہوئی ہیں۔ زمانہ کے اعتبار ابتداء دیکھئے تو حضور پرنور ﷺ سے ابتداء معلوم ہوتی ہے۔ یا جس بھی داعی نے ابتداء کی وہ ابتداء ہے اور اسکی انتہا کوئی بھی نہیں۔ اسی طرح مکان ومقام کے اعتبار سے بھی داعی دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو اس کا دائرہ کار وہی تک محدود نہیں بلکہ شرق وغرب ہر طرف فریضہ کی ادائیگی کیلئے جا سکتا ہے۔ بسا اوقات ذمہ داری کا بوجھ دعوت وتبلیغ کی تکلیف (مکلف ہونا) اس کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کو کسی حدود زمانی ومکانی کی پابند نہیں بنایا۔ کیونکہ دعوت میں بنیادی طبائع مختلف اور معاشرتی اختلافات کی بنا پر ادع الی سبیل ربک بالحکمة کے تحت موقع محل اور وقت کی مناسبت سے جو طریقہ کار معلوم ہو اسی طریقے کے مطابق دعوت کا فریضہ انجام دیا جائے۔ البتہ چند مفید اور مؤثر قیود اور شروط کا لحاظ ضروری ہوگا۔

پہلی شرط:

لتکونوا شهداء علی الناس کے تحت ہمیں جس دین پر گواہ بنایا گیا ہے۔ اولاً اس کے بارے میں صدق دل سے ایمان لانا ضروری ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ رہا ہے۔

آمن الرسول بما انزل اليه من ربه والمؤمنون (بقره ٢٨٥) وانا اول المسلمين یعنی جس پروگرام کو دوسروں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اسکے دوسروں کے ہاں مقبولیت کا درجہ دلانے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی یقین جازم کے ساتھ اس کی صداقت وحقانیت کا اعتماد رکھتا ہو۔ اور اس کو علانیہ ظاہر بھی کرتا ہو۔

دوسری شرط:

جس دین حق پر ایمان لائے ہیں۔ اس کو ظاہر کریں۔ زبان سے گواہی دیں۔

واذ اخذ الله ميثاق الذين اوتوا الكتب لتبيننه للناس ولا تكتمونه (ال عمران ١٨٧)

وقوله تعالى هو الذى ارسل رسوله بالهدىٰ و دين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره الكافرون

دین کے اظہار سے کوئی مصلحت مانع نہیں ہونی چاہے دین کے معاملہ میں کسی قسم کی مداہنت اختیار کرنا صرف ان حالات میں درست ہے جن میں جان کا خطرہ ہو اور اگر کہیں مصلحتاً مخالفین کی کوئی بات تسلیم کرنے میں کوئی فائدہ ہو تو اسکو اسی حد تک اختیار کرنے کی اجازت ہوگی جب تک کہ شریعت کی مخالفت لازم نہ آتی ہو۔ اور اسلام کی شوکت کو ٹھیس نہ پہنچتا ہو۔ مثلاً اج کل تبلیغی پروگرام کے راستے میں حائل مشکلات کو دیکھتے ہوئے بعض ایسے غیر دینی مسائل میں الجھنے کی بجائے جن میں سنت کی خلاف ورزی یا بدعت کا لزوم ثمرۃً ہو ان میں شرکت کی جاتی ہے۔ جیسے صلاۃ وصوم جیسی بدعات میں جمعہ کے دن کھڑا ہو جانا محض ان کی ہمدردی حاصل کرنے یا دفع مضرت کیلئے ایسا کرنے کی گنجائش ہوگی۔ لیکن ان کے ساتھ مزارات کے طواف یا نذر و نیاز کا کھانا، یہ حرام ہے حلال نہیں ہوں گے۔

تیسری شرط :

جس دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس کے بارے میں زبانی گواہی کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ اعمال کے ذریعے اس کی تصدیق کی جائے۔ اس لئے سیرت کا سنوارنا دعوت کے بیان میں انتہائی مؤثر ہے۔ بلکہ حسن سیرت خود دعوت کا ایک طریقہ ہے۔ کہ لوگ سیرت کو دیکھ کر مسلمان ہو جایا کرتے ہیں۔

اتا مرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتٰب (بقرہ ۔۴۴) خود عمل کے بغیر وعظ یا دعوت میں اثر نہیں ہوتا۔

چوتھی شرط:

دین حق کی دعوت و تبلیغ میں داعی اپنی حفظ و امان میں حق تعالیٰ پر کامل توکل رکھے اور کھل کر دعوت دے۔ دعوت کی وجہ سے مخالفین کی شدید ردعمل سے خائف نہ ہونا چاہیے۔

- یا یھاالرسول بلغ ما انزل الیک...... واللہ یعصمک من الناس (مائدہ. ۶/۷)

الذین یبلغون رسالات اللہ و یخشونہ ولایخشون أحدا الا اللہ (احزاب ۳۹)

ودع اذا ھم وتوکل علی اللہ (احزاب . ۴۸) فادع واستقم . (الشوریٰ . ۱۵) فاصدع بما تؤمر. (الایہ)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں توکل کا سرمایہ بیش بہا اور وافر مقدار میں ہونا چاہئے۔ الحمد اللہ موجودہ ترتیب کے مطابق کام میں اس کا بھی خاصا اہتمام دکھائی دیتا ہے لیکن توکل کا مفہوم بھی جاننا ضروری ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ پہلے اسباب کو بروئے کار لانا چاہیئے۔ پھر اتمام وانجام اللہ کے سپرد کیا جائے۔ مثلاً گھر بار سے جاتے ہوئے واپسی تک کیلئے ان کی ضرورت کا انتظام کیا جائے کمی وبیشی حادثہ و پریشانی سے متعلق اس خرچہ سے متعلق حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔

پانچویں شرط:

مخالفین کی اعراض کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پیہم جدوجہد کریں۔ ایسا نہ ہو کہ کس نے ٹھکرا دیا تو اس کو دعوت دینا چھوڑ دیں۔ حدیث شریف

میں اس کی مذمت آئی ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال ، قال رسول ﷺ اول مادخل النقص علی بنی اسرائیل انه کان الرجل یلقی الرجل فیقول یا هٰذا اتق الله ودع ماتصنع به فانه لا یحل لک ثم یلقاه من الغد وهو علی حاله فلا یمنعه ذٰلک ان یکون اکیله وقعیده فلما فعلوا ذٰلک ضرب الله قلوب بعضهم ببعض ثم قال لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل . الیٰ قوله. فاسقون ثم قال کلا والله لتأمرن بالمعروف وتنهون عن المنکر ولتاخذن علی ید الظالم ولتأطرنه علی الحق اطراً (ابوداؤد. ترمذی)

یعنی دعوت دیتے ہوئے اکتاہٹ نہیں آنی چاہیے۔ اگر چند بار اعراض وانکار سے تنگ ہو کر بیٹھ گئے۔ تو دعوت کا کام ٹھپ ہو جائیگا۔ بلکہ مطلوب یہ ہے کہ دعوت میں نہ تو اعراض وانکار کو دیکھے اور نہ یہ کہ ہمارا ہم رکاب، ہم پیالہ اور ہم نشین ہے اور اسی کی بنیاد پر حق تعالیٰ ان کے درمیان اختلاف پیدا فرمادیں۔

چھٹی شرط:

اپنے بڑوں پر اعتماد اور ان سے مراجعت، تعلق اور رہنمائی حاصل کرنے میں کوتاہی نہ ہونی چاہیے۔ ورنہ یہ صرف داعی کیلئے نہیں دین کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ جس طرح الحمدللہ آج دعوت وتبلیغ کا کام زوروں پر ہے۔ کام میں جس قدر وسعت آرہی ہے۔ اسی قدر اہل حل وعقد کے ہاتھوں میں سے باگ ڈور کمزور ہوتی نظر آرہی ہے۔ اور مطلق العنانی میں بظاہر ایسی بے راہ روی ہے کہ خود اعتمادی نے علماء مشائخ اور اپنے بڑوں پر بد اعتمادی ہی نہیں بلکہ ان کی قدر ومنزلت کا اعتراف بھی اس لئے مشکل سمجھتے ہیں۔ کہ وہ دعوت وتبلیغ کے موجودہ ترتیب کے پابند نہیں ہیں۔ اور اگر اس قسم کا امام مسجد ہو تو اسے نااہل سمجھا جاتا ہے۔ اور چشم دید واقعات کی روشنی میں مزید عرض کرتے ہیں۔ کہ کئی حضرات ہیں جن کے ہاں علماء دین کی کوئی قدر قیمت ہی نہیں۔ عزت ودینداری کا معیار فقط یہ ہے کہ موجودہ ترتیب کے پابند ہو ورنہ اسکے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے گویا کہ البغض فی اللہ کا اہم فریضہ سرانجام دے رہے جسکا مورد محض صرف یہی ہے۔ اور اس قدر جسارت بھی کہ علماء کو کنویں کے مینڈک سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ کیا یہی دینداری ہے۔؟ ذرا غور کرلیا جائے کہ کوئی یہودی وعیسائی وہندو اور رافضی بھی اپنے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ یہ رویہ رکھتا ہیں۔ اگر جواب نفی میں ہو تو کیا کہیں گے کہ مسلمان دیندار کہلانے والے ہی اپنے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ یہ رویہ رکھتے ہیں یا اسکی یہ تعبیر ممکن ہے۔ کہ اسکو خدمت دین، تبلیغ دین اور اسلام واسلامیان سے تعلق ومحبت کہا جائے گا؟ اور اس دینداری سے دین کی کتنی نیک نامی ہوتی ہے۔

ساتھویں شرط:

دعوت وتبلیغ کو دین کے صرف چند شعبوں میں محدود کرنے کی غلطی نہ کرنی چاہیئے اور نہ یہ خیال ہو کہ دین یہی ہے بلکہ پورے دین پر عمل

اوراسکے ہر شعبے کی دعوت وتبلیغ ہونی چاہیے۔اگر معروف کی ترغیب دی جائے اور منکر سے روکھا نہ جائے تو دعوت ادھوری ہوگی۔

آٹھویں شرط:

مخاطب کی نفسیات کالحاظ رکھاجائے صرف اسکی صلاحیت ہی کونہیں دیکھنا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ دعوت دیتے وقت ان کی نفسیاتی حالت کیا ہے۔حضرات انبیاء کرامؑ انسانی نفسیات کوبھی اعلیٰ طریقے پرسمجھنے والے تھے ان حضرات محترمین کی دعوت سے ملنے والے چند اصول درج کئے جاتے ہیں۔جس سے آدمی کیلئے دعوت وتبلیغ میں راہنمائی حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

انبیاء کرام کی دعوت سے مستفاد چند اصول

پہلا اصول:

دعوت کے لئے جس قدر آسان طریقے کواپنانا ممکن ہواپنایا جائے۔اس لئے کہ ایک چیز کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ایک اعتبار سے وہ چیز آسان اور سہل ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے مشکل ہے۔ایک مبتدی کے سامنے اگر سہل پہلو کو پیش کیا جائے تو اس کو اجنبیت محسوس نہیں ہوگی۔اگر پہلی ہی ملاقات میں مشکل پہلو سامنے آئے تو وہ فوراً وحشت زدہ ہوجائے گا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ **بشروا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا ان الدین یسر ولن یشاد أحد الا غلبه فسددوا وقاربوا وشرّبوا (مشکوٰۃ / ج ا ص ا ا)**

دوسرا اصول:

داعی کواس امر کی رعایت رکھنی لازم ہے کہ مخالفین مخاطبین کے معتقدات کی تنقیص نہ ہو۔انہیں برا بھلا کہنے سے احتراز کریں ورنہ مخاطب حمیت جاہلیت کے جوش میں آکر دعوت قبول کرنے کے بجائے مخالفت پر اتر آئے گا اور وہ حضرات اسی پر اکتفانہیں کریں گے۔بلکہ ان کے معبودان باطلہ کے سب وشتم کا بدلہ معبود حق کی توہین سے چکائیں گے۔ الحمدللہ اپنے ساتھی اسی کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔لیکن مقتداؤں کی تحقیر کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ ان کے عقائد کوبھی نہ چھیڑا جائے۔ورنہ دعوت وتبلیغ کا مقصد کیا ہوگا؟ یعنی مریض سے نفرت نہ کرنے کا یہ مقصد نہیں کہ مرض کا علاج بھی نہ کیا جائے بلکہ اس کا علاج ہی تو مقصود ہے لیکن اس سے نفرت یا نفرت دلائی جانے والی بات نہیں کرنی چاہیئے۔قران کریم نے اس رویے سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبو اللہ عدوا بغیر علم ، کذالک زینا لکل أمة عملھم. (الانعام/ ۱۰۸)

مخاطبین کے مقتداؤں کی تحقیر کے بجائے ان کی عزت واحترام کا اعتراف کریں۔اورانکی قدر ومنزلت عنداللہ کچھ بھی ہواس کے صریح انکار سے عصبیت اور جاہلیت بھڑک اٹھے گی۔اوردعوت حق کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے کے مترادف ہوگا۔ **وقل لعبادی یقول التی ھی احسن، انّ الشیطان ینزغ بینھم ، انّ الشیطان کان للانسان عدوا مبیناً. (بنی اسرائیل / ۵۳)**

تیسرا اصول:

داعی اسلام کو چاہیئے کہ کلام میں نرمی پیدا کریں کیونکہ بعض لوگ تعظیم وتکریم والے خطاب وکلام کے عادی ہوتے ہیں۔اس لئے ان کے مزاج کی رعایت رکھتے ہوئے دعوت دینی چاہیئے۔حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کوفرعون کی طرف مبعوث فرماتے ہوئے نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ اذھبا الیٰ فرعون فقولا لہ' قولاً لیناً لعلہ یتذکر او یخشیٰ. (طہٰ/ ۴۳ تا ۴۴)
لیکن یہ لحاظ اس حد تک جائز ہے جہاں تک اس حق کے احترام ووقار کے خلاف نہ ہو جس کو داعی پیش کر رہا ہے۔اگر اس وقار کے منافی ہو تو پھر جائز نہیں ہوگا۔کیونکہ اسلام دینی معاملات میں مداہنت اختیار کرنے کو جائز نہیں رکھتا۔ہمیں شکر بجالانا چاہیئے کہ الحمد للہ موجودہ تبلیغی کام میں دعوت کے اس اصول کی خاص رعایت ہوتی ہے۔لیکن نرمی انداز گفتگو میں حق کی کڑوی گولی کے اندر نہیں ہونی چاہیئے۔

چوتھا اصول:

مخاطب کی استعداد اور ظرف کو دیکھ کر دعوت پیش کرے۔جیسے قران کریم کو حق تعالیٰ نے مختلف معجزانہ اسلوب میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔ ارشاد ہے کہ و قراناً فرقنٰہ لتقرأہ علی الناس علی مکث و نزلنٰہ تنزیلاً. اس سے معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغ کیلئے تھکا دینے والا تسلسل اور ہر وقت مخاطب کو اس کا پابند بنائے رکھنے کی کوشش کرنا درست نہیں ورنہ جذبات سرد پڑ جائیں گے۔مقصد حاصل ہو یا نہ ہو۔ تھک ماندہ کر بیٹھ جائیں گے۔ فو اللہ لا یمل اللہ حتیٰ تملوا (بخاری ، کتاب التھجد) و فیہ حدیث أخر . قال علیہ الصلاۃ و السلام . اِقرأو ا القران ماا ئتلفت قلوبکم فادا اِ ختلفتم فقومو ا عنہ (بخاری ج ۲ . ص۷۵۷)

(جاری ہے)

﴿حضرت خواجہ اویس قرنیؒ کے ملفوظات طیبات سے کچھ بطور تبرک﴾

☆......" طلبت النسب فوجدت فی التقویٰ " میں نے نسب چاہا تو وہ تقویٰ میں پایا" یعنی انسان کی بڑائی اس کے حسب ونسب میں نہیں بلکہ تقویٰ میں ہے۔

☆......" طلبت الشرف فوجدت فی القناعۃ "میں نے (آخرت) کی بزرگی چاہی تو وہ قناعت میں پائی۔

☆......" طلبت الفخر فوجدت فی الفقر" میں نے فخر کو چاہا تو وہ مجھے فقر میں ملا۔

☆......" طلبت المروٴۃ فوجدت فی الصدق " میں نے مرّوت (انسانیت) طلب کی تو وہ مجھے صدق میں ملی۔

☆......" طلبت الریاسۃ فوجدت فی نصیحۃ الخلق " میں نے آخرت کی سرداری طلب کی تو وہ مجھے خلق خدا کو نصیحت کرنے میں ملی

☆......جس شخص کو ان تین باتوں سے محبت ہو وہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے (۱) اچھا کھانا (۲) اچھا پہننا (۳) امیروں کی صحبت میں بیٹھنا

☆...... ہر وقت خدا کے کاموں میں ایسے لگے رہو گویا تم نے تمام مخلوقات کو قتل کر دیا ہے: یعنی دنیا سے بے تعلق ہوئے بغیر تقویٰ اور پرہیز گاری میں کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ ﴿یہ تیرے پُراسرار بندے ص/۳۲۶ از طالب الہاشمی﴾